1

تبلیغی جہاد میں شامل ہونے والے واقفینِ زندگی اپنے ناموں سے اطلاع دیں

(فرمودہ 25 جنوری 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے آج پھر مجھے خطبہ دینے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ گو ابھی صحت ایسی اچھی تو نہیں کہ مَیں بیٹھ کر سجدہ کر سکوں بلکہ تکیوں پر ہی سجدہ کرتا ہوں۔ سجدہ کرنے کے لئے اگر بیٹھوں تو کھڑا نہیں ہو سکتا اور اگر کھڑا ہوں تو بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تین چار دن سے مَیں بغیر کرُچز 1(Crutchs) کے چلتا ہوں جس کی وجہ سے گھٹنوں میں درد محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ڈاکٹری مشورہ یہی تھا کہ جب اس درد سے آرام آجائے تو مجھے تھوڑا تھوڑا چلنا چاہیئے تاکہ جوڑ اپنی جگہ پر رُک نہ جائیں۔ مَیں نے سمجھا کہ اس حالت میں جبکہ مَیں چلنے لگ گیا ہوں مجھے خطبہ کے لئے ضرور جانا چاہیئے۔ سیڑھیاں کرُچز کے سہارے چڑھ لوں گا اور منبر تک بغیر کسی سہارے کے چلا جاؤں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور خطبہ سے مجھے کوئی خاص تکلیف پھر دوبارہ نہ ہو جائے اور وہ اپنے فضل سے موجودہ تکلیف کو برداشت کرنے کی طاقت عطا فرمائے تو مَیں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ جلد ہی باہر کے کاموں کی دیکھ بھال شروع کر دوں گا۔ میری یہ بیماری نہ صرف اس لئے تکلیف دہ تھی کہ بیماری تکلیف دہ ہوتی ہے بلکہ یہ اس لئے بھی بہت زیادہ تکلیف کا باعث ہوئی کہ یہ ایسے موقع پر آئی جبکہ ہمارے مبلغین کے وفود غیر ممالک کو

جانے والے تھے۔ اور جلسہ سالانہ بھی قریب تھا۔ وفود کا باہر بھیجنا کوئی معمولی کام نہیں۔ ایک نادان اور کوتاہ بین انسان کے نزدیک کسی وفد کا بھیجنا کوئی اہم کام نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقع پر بے انتہا کوشش اور متواتر سُرعت کے ساتھ تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم نے گزشتہ ایام میں پچیس مبلغ غیر ممالک میں بھیجے ہیں اور آٹھ نو کے قریب تیار ہیں جو جلدی ہی باہر جانے والے ہیں۔ لیکن ان کے چلے جانے پر ہمارا کام پورا نہیں ہو جائے گا بلکہ ان پچیس مبلغوں کے جانے کے معنے یہ ہیں کہ ہم نے اپنے گھر کے پچیس نئے دروازے کھولے ہیں اور جو لوگ ان دروازوں میں سے داخل ہوں گے وہ اپنی ضروریات کو ہمارے سامنے پیش کریں گے۔ چنانچہ ایک ملک سے مبلغین کی طرف سے دو تاریں آئی ہیں۔ ایک تار میں انہوں نے لکھا ہے کہ ہمیں دس مبلغ بہت جلد بھیجے جائیں۔ کرایہ اور دیگر اخراجات کا انتظام ہم کریں گے۔ اور دوسری تار میں انہوں نے یہ اطلاع دی ہے کہ جماعت نے مطلوبہ مبلغین کے لئے کرایہ اور دوسرے اخراجات کے لئے کئی ہزار روپیہ جمع کر لیا ہے۔ اب ہمیں فوراً مبلغین بھیج دیئے جائیں۔ اسی طرح ایک اور جماعت سے اطلاع آئی ہے جو ہے تو اس جماعت کی قدرت اور طاقت سے باہر۔ لیکن رپورٹ آئی ہے کہ اس ملک کی جماعت میں ایک جوش پیدا ہو گیا ہے اور آپس میں انہوں نے تجویز کی ہے کہ ڈیڑھ لاکھ یا اس سے زیادہ روپیہ جمع کیا جائے اور پھر خلیفۂ وقت کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی جائے تا کہ مصلح موعود والی خواب میں وہ بھی شریک ہو جائیں۔ کیونکہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ مَیں دوسرے ملکوں کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس خواب میں ان کے ملک کا بھی حصہ ہو اور وہ بھی اس میں شریک ہو جائیں۔

ایک اَور جگہ سے تار آئی ہے کہ وہاں انگریزی پڑھانے والے مدرّسین کی بہت ضرورت ہے اور بی۔ اے۔ بی ٹی پاس لوگوں کی وہاں بہت کھپت ہے۔ گو یہ تبلیغ کا حصہ نہیں لیکن اشاعتِ اسلام اور تبلیغ احمدیت میں یہ لوگ بہت مُمِد و معاون ہو سکتے ہیں۔ یہ سب امور ایسے ہیں جو فوری طور پر کام کی طرف توجہ چاہتے ہیں۔ بہرحال ہم ان کی اس مانگ کو پیچھے نہیں ڈال سکتے لیکن اس وقت ہمارے پاس ایسے مبلغ موجود نہیں جن کو ہم فوری طور پر ان کے پاس بھیج دیں۔ نئے مبلغ اس صورت میں ان کے پاس بھیجے جا سکتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو

وقف کیا ہوا ہے اور ان کو ابھی تک بلایا نہیں گیا ان میں سے کچھ مولوی فاضل ہوں یا بعض انگریزی اعلیٰ تعلیم رکھتے ہوں۔ مثلاً بی۔ اے یا ایم۔ اے ہوں۔ اگر ایف۔ اے یا انٹرنس پاس ہوں تو انہیں بھی کام پر لگایا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو وہاں بھیج دیا جائے اور وہاں کے مبلغین ان کو خود تیار کرلیں۔ لیکن یہ کہ ہم ان کو تیار شدہ مبلغ دیں یہ ہمارے لئے فِی الحال مشکل ہے۔

مجھے اس بیماری میں دل کو کمزور کرنے والی دوائیاں دی گئی ہیں۔ کیونکہ اس مرض کا علاج ایسی ہی دوائیوں سے ہوتا ہے اور چونکہ مجھے دن میں ہر چار چار گھنٹے کے بعد دوائی دی جاتی تھی اس لئے طبعی طور پر میرے حافظے پر ان دوائیوں کا اثر پڑا۔ اور مَیں بعض دفعہ بات کرتا کرتا بھول جاتا کہ کیا کہنے لگا تھا۔ اور بعض دفعہ دو منٹ کے بعد بات بالکل بھول جاتی تھی اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اس بیماری میں ایسی دوائیاں پلائی جاتی تھیں جو مجھے ایک قسم کے نشے میں رکھتی تھیں۔ گو دوائی تو نشہ آور نہیں تھی لیکن اس دوائی سے دل کی کمزوری، ضعف اور نقاہت اتنی ہو جاتی تھی کہ مَیں مدہوش سا رہتا تھا۔ شاید ہمیں اللہ تعالیٰ اس بیماری سے بھی کوئی سبق دینا چاہتا ہے اگر ہم اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اب مَیں اس پہلی تقریب پر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں (جلسہ سالانہ پر تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کو خطاب کرنے کی توفیق مل گئی تھی۔ اس کے بعد مَیں کوئی خطبہ یا تقریر نہیں کر سکا۔ اس لحاظ سے یہ پہلی تقریب ہے) کہ سترہ اٹھارہ ممالک میں ہمارے مبلغین اب گئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ملک میں ان کے پہنچتے ہی وہاں سے تار آئی ہے کہ ہمیں دس مبلغین کی فوری ضرورت ہے۔ ان مبلغین کے اخراجات اور کرایہ کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔ مَیں تمام ایسے واقفین کو جن کو بلایا نہیں گیا گو وہ اعلیٰ تعلیم نہ رکھتے ہوں۔ لیکن وہ سمجھتے ہوں کہ وہ مبلغ کا کام سنبھال لیں گے اس غرض کے لئے بُلاتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ اپنے ناموں سے ہمیں اطلاع دیں۔ ہم عموماً اس وقت تک اعلیٰ تعلیم کے لوگوں کو لیتے رہے ہیں یعنی عربی کے لحاظ سے مولوی فاضل اور انگریزی کے لحاظ سے بی۔ اے یا ایم۔ اے۔ بعض ایف اے بھی تھے۔ لیکن دینی لحاظ سے وہ اچھا علم رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو ہم لے لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ دنیوی علم تو خود پڑھ سکتے ہیں اور دینی تعلیم، قرآن کریم کا ترجمہ اور حدیثیں ہم ان کو پڑھا دیتے ہیں۔ اگر کوئی ایسے نوجوان

ہوں جو انٹرنس یا ایف۔اے پاس ہوں لیکن وہ قرآن کریم کا ترجمہ جانتے ہوں، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا مطالعہ رکھتے ہوں، دینی امور سے واقفیت رکھتے ہوں تو ایسے نوجوانوں کو بھی جلد ہی باہر بھیجا جا سکتا ہے۔ پس یہ وقت ہے کہ جماعت کے نوجوان اپنی زندگیاں وقف کر کے اس کامیابی اور کامرانی کو حاصل کر سکتے ہیں جو اس زمانہ میں احمدیت کے لئے مقدر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک حوالہ آج ہی خدام الاحمدیہ نے شائع کیا ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کو کتنی حسرت تھی اس بات کی کہ مسلمان اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ آپ فرماتے ہیں مَیں نے بعض اخبارات میں پڑھا ہے کہ فلاں آریہ نے اپنی زندگی آریہ سماج کے لئے وقف کر دی ہے اور فلاں پادری نے اپنی عمر مشن کو دے دی ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت کے لئے اور خدا کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف نہیں کرتے۔2 رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مبارک زمانہ پر نظر کر کے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس وقف سے مراد بھی درحقیقت وہی صحابہ کا وقف ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ میں زندگی وقف کرنے کا سوال ہی نہیں تھا کیونکہ اس زمانہ میں ہجرت فرض تھی۔ خواہ کسی حصہ میں کوئی شخص ایمان لاتا اس کے لئے حکم تھا کہ فوراً ہجرت کر کے مدینہ پہنچو اور خدمتِ اسلام کے لئے اپنی جان اور مال لگا دو۔

ہمارے وقف اور صحابہؓ کے وقف میں فرق صرف اتنا ہے کہ ہم واقفین اپنے ملک سے باہر بھیجتے ہیں۔ لیکن صحابہؓ دوسرے ملک سے اپنے ملک میں بلائے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں وقف کی یہ صورت تھی کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاؤ۔ ہمارے زمانہ میں وقف کی یہ صورت ہے کہ اپنا وطن اور اپنا گھر بار چھوڑ کر غیر ممالک میں اشاعتِ اسلام کے لئے چلے جاؤ۔ دونوں صورتوں میں گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے، وطن سے بے وطن ہونا پڑتا ہے اور باہر جا کر دشمنوں سے جہاد کرنا پڑتا ہے۔ پس ہمارے واقف جو حقیقی طور پر اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں وہ بھی مہاجر ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے وطن اور اپنے گھر بار چھوڑ دیئے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ہماری جماعت میں بھی بہت سے نوجوان ایسے ہیں

جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف نہیں کیں۔ اگر وہ اپنی زندگیاں وقف کریں تو میرے نزدیک وہ سلسلہ کے لئے مفید وجود ثابت ہو سکتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تبلیغِ اسلام کے لئے دس آدمیوں کی ضرورت ہو اور وہ بھی پوری نہ ہو۔ اور دوسری طرف جنگ یورپ میں اپنی قوموں کی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے لکھو کھہا آدمیوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہو۔ اب جبکہ اسلامی جنگ شروع ہوئی ہے تو قدرتی بات ہے کہ باہر سے مانگ پر مانگ آئے گی۔ ابھی پیچھے ہی ایک ملک کے مبلغین نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ اگر ہمیں بارہ مبلغ اَور مل جائیں تو دس سال کے اندر اندر ملک کی اکثریت احمدیت میں داخل ہو جائے گی۔ وہ تمام قسم کے اخراجات خود برداشت کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ صرف ہم سے کام کرنے والے آدمی مانگتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ افریقہ میں ایک لاکھ شلنگ کا ایک فنڈ قائم کیا گیا ہے کہ جس کی آمد سے ہمارے وہاں کے مبلغ لٹریچر وغیرہ شائع کریں گے۔ یہ کتنی بیداری اور کتنا جوش ہے جو اِن ممالک میں احمدیت کے لئے نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے جوش اور اخلاص میں ترقی دے۔ آمین

دوسری سکیم مَیں نے وقف تجارت کی جماعت کے سامنے پیش کی تھی۔ ابھی تک اِس تحریک میں ساٹھ ستّر نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے۔ میرے نزدیک اس میں کمی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوان ابھی تک فوجوں سے فارغ نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود یہ تعداد کم ہے۔ اگر یہاں کے لوگ جو فارغ ہیں وہی اپنے آپ کو پیش کرتے تو یہ تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی۔ انہیں دینی فائدہ بھی ہوتا اور وہ دنیوی فائدہ بھی اٹھاتے۔

تجارت ایک ایسی چیز ہے جس سے یہ دونوں چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ جس جگہ پر لاکھوں لاکھ روپیہ ہمارا سالانہ خرچ ہونا تھا اس کی بجائے ہمیں کئی لاکھ روپیہ اس طرح سے مل جائے گا اور تبلیغ بھی ہوتی رہے گی۔ تجارت کے لئے رستے کُھل رہے ہیں اور دوسرے ممالک کے لوگ ہمیں لکھ رہے ہیں کہ آپ آدمی بھیجیں ہم ان کی ہر قسم کی امداد کریں گے۔ اسی طرح ہندوستان کے متعلق بھی ارادہ ہے کہ تجارت کے ذریعہ تبلیغ کے دائرہ کو وسیع کیا جائے۔ اگر ہماری یہ سکیم کامیاب ہو جائے اور انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کامیاب ہو گی تو ہمیں مفت میں پانچ ہزار مبلغ

مل جائیں گے۔ بجائے اس کے کہ ہم پانچ ہزار مبلغین پر لاکھوں لاکھ روپیہ خرچ کریں۔ ان کے ذریعہ ہمیں لاکھوں روپیہ کی آمد شروع ہو جائے گی۔ فرض کرو فی مبلغ ہمیں سو روپیہ دینا پڑے تو ایک سال کے لئے ہمیں ساٹھ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ حالانکہ بعض شہر ایسے ہیں جہاں ایک سو میں گزارہ نہیں ہو سکتا جیسے بمبئی یا کلکتہ ہے۔ ایسے شہروں میں تین یا چار سو روپیہ ماہوار خرچ دینا پڑے گا۔ لیکن اگر یہی فرض کریں کہ فی مبلغ ایک سو روپیہ ماہوار دیں تو ایک مہینہ کا خرچ پانچ لاکھ روپیہ بنتا ہے اور ایک سال کا خرچ ساٹھ لاکھ روپیہ بنتا ہے۔ لیکن اگر ہمارے پانچ ہزار نوجوان تجارتی اصول پر اپنی زندگیاں وقف کریں تو ہمیں یہ ساٹھ لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی بجائے پندرہ یا بیس لاکھ روپیہ سالانہ وہ نوجوان بھجوائیں گے۔ گویا ایک صورت میں ہمیں پندرہ بیس لاکھ روپیہ کی سالانہ آمد ہوتی ہے اور دوسری صورت میں ہمیں ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کتنی مفید اور جماعت کی مالی حالت کو درست کرنے والی یہ سکیم ہے۔ لیکن اس سکیم کی طرف جماعت نے ابھی تک پوری توجہ نہیں کی۔

تیسری چیز جس کے متعلق میں کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ تعلیم ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ جب مَیں کسی چیز کے متعلق تحریک کروں تو اس کے معاً بعد اس چیز کی ضرورت محسوس ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اب تعلیم کے لحاظ سے اعلیٰ تعلیم والوں کا مطالبہ ہم سے بے انتہاء طور پر شروع ہو گیا ہے۔ دو ملک والوں نے لکھا ہے کہ ہمیں بائیس مبلغین دیئے جائیں اور ابھی ان کے علاوہ سترہ اٹھارہ ملک ایسے ہیں جہاں ہمارے مبلغین اب گئے ہیں اور ابھی ان کے مطالبے باقی ہیں۔ اس لحاظ سے ہمیں چار پانچ سو مبلغین کی ضرورت ہے۔ اور یہ علاقے ایسے ہیں جن میں ایسے مبلغین کی ضرورت ہے جو بی۔ اے یا ایم۔ اے ہوں۔ پھر ہمارے محکمے اتنے وسیع ہو گئے ہیں کہ تین سال کے اندر اندر کارکنوں کی تعداد دُگنی ہو گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں بہت سے کارکنوں کی ضرورت ہے۔ تحریک جدید نے ابھی اپنے آپ کو منظّم نہیں کیا۔ وقف زندگی کرنے والے نوجوان اس میں اکثر کام کرتے ہیں۔ اگر ان کو انہی کاموں پر روک رکھا جائے تو بیرونجات کے مبلغین میں کمی آ جائے گی۔ اسی لئے مَیں نے بار بار تعلیم پر زور دیا ہے کیونکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ جماعت کو دن بدن تعلیم یافتہ آدمیوں کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

غیر تعلیم یافتہ آدمی باہر نہیں بھیجے جاسکتے۔ نہ ہی ان کے سپرد کوئی ذمہ داری کا کام کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سلسلہ کی بعض اَور سکیمیں جاری ہیں ان کے لئے بھی ہمیں اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سلسلہ کے دفاتر کے لئے بہت سے کارکنوں کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے بعض دفاتر کے کام اسی لئے پوری طرح نہیں ہو رہے کہ ان میں کارکنوں کی کمی ہے۔ اور نئے آدمی ہمیں اس لئے نہیں مل رہے کہ ہمارے اندر تعلیم کی کمی ہے۔ ہندوؤں کے اندر اس زمانہ میں بھی پندرہ پندرہ بیس بیس روپے کے کلرک مل رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر تعلیم اتنی زیادہ ہے کہ وہ تمام کے تمام عمدہ نوکریاں حاصل نہیں کر سکتے اور جو فارغ رہ جاتے ہیں وہ پندرہ پندرہ بیس بیس روپے کی ملازمت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہماری جماعت میں ہندوؤں سے تعلیم نسبتاً کم ہے گو دوسرے مسلمانوں کی نسبت زیادہ ہے اس لئے ہماری ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوانوں میں دوسری قوموں کی نسبت زیادہ بیداری ہے اور ہماری جماعت کے نوجوان دوسری مسلم جماعتوں کے نوجوانوں سے محنتی زیادہ ہیں اس لئے گورنمنٹ کے محکموں میں ان کو عزت مل جاتی ہے۔ جس محکمہ میں ایک احمدی ہو افسر اس کو کہتے ہیں کہ اَور احمدی بلاؤ۔ ایک محکمہ کے افسر نے مجھ سے ذکر کیا کہ مَیں اپنے محکمہ میں احمدیوں کو تلاش کر کر کے رکھتا ہوں حالانکہ مَیں احمدی نہیں ہوں اور نہ ہی احمدیت سے مجھے کوئی دلچسپی ہے لیکن مَیں نے دیکھا ہے کہ احمدی محنتی اور دیانتدار ہوتے ہیں اس لئے مَیں احمدیوں کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہوں۔ پس اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں جو احمدیوں کو ان کے محنتی اور دیانتدار ہونے کی وجہ سے بڑی محبت سے ملازم رکھتے ہیں۔ تو کچھ تعلیم یافتہ طبقہ تو ملازمت میں چلا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دوسری قوموں کی نسبت ہماری جماعت میں ملازمت پیشہ لوگ زیادہ ہیں۔ اور کچھ حصہ ایسا ہے جو تجارت میں لگا ہوا ہے اور وہ تجارت کو پسند کرتے ہیں کیونکہ وہ آزاد کام کرنے کے عادی ہیں۔ پس ان دو چیزوں کی وجہ سے ہمیں تعلیم یافتہ آدمی کم ملتے ہیں۔ یعنی ایک تو ملازمت اور دوسرے تجارت یا صنعت و حرفت۔ ان دونوں سے جو بچتے ہیں وہ اتنے تھوڑے رہ جاتے ہیں کہ سلسلہ کی ضرورت ان سے پوری نہیں ہوتی۔ اور ہماری جماعت میں ابھی تعلیم کی اتنی کمی ہے کہ جب

کسی علاقہ سے کسی واقف کو قادیان میں باہر بھیجنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو علاقے کا علاقہ شور مچانا شروع کر دیتا ہے کہ آپ یہیں اس کو وقف سمجھ لیں۔ اس کے علاوہ کوئی شخص اس علاقہ میں کام کرنے والا نہیں ہے۔ اگر ہماری جماعت میں تعلیم زیادہ ہو تو یہ دقتیں پیش نہ آئیں۔ اگر ہماری جماعت میں زیادہ مولوی فاضل ہوں تو ہماری مشکلات بہت حد تک دور ہو سکتی ہیں۔ اب تو جامعہ احمدیہ میں طلباء کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ لیکن پھر بھی ایک طرف سارے پنجاب کے مولوی فاضل ہوں اور دوسری طرف ہمارے۔ تو پھر بھی ہمارے مولوی فاضل ان سے کئی گُنا زیادہ ہوں گے۔ لیکن باوجود اس کے پھر بھی ہمارے کاموں کے لئے کم ہیں۔ آجکل آٹھ نو طالب علم مولوی فاضل کا امتحان دیتے ہیں لیکن غیر احمدی امتحان دینے والے جو پہلے کم ہوتے تھے اب بڑھ گئے ہیں۔ اسی لئے مَیں نے دوبارہ تحریک کی ہے کہ دوستوں کو اپنے بچوں کو اعلیٰ دینی تعلیم دلانے کے لئے انہیں مدرسہ احمدیہ میں داخل کرانا چاہئے۔ اس پر تیس پینتیس لڑکے مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ جن میں سے کچھ داخل ہونے کے بعد کِھسکنے شروع ہو گئے لیکن پھر بھی پچیس چھبیس باقی ہیں۔ لیکن ان پچیس سے ہمارا کام نہیں بنتا، پچاس سے بھی کام نہیں بنتا، سَو سے بھی کام نہیں بنتا بلکہ ہمیں ہزاروں آدمیوں کی ضرورت ہے۔ مَیں نے اس سے پیشتر جماعت کو بتایا تھا کہ اگر سو لڑکا ہر سال جامعہ احمدیہ سے تحصیلِ علم کے بعد فارغ ہو تو دس سال میں جا کر ہم ہزار مبلغ تیار کر سکتے ہیں لیکن اگر ہر سال بمشکل پچیس طلباء جامعہ سے فارغ ہوں تو اس لحاظ سے تو ہم دنیا کی مانگ کو کسی صورت میں پورا کر ہی نہیں سکتے۔ اب دنیا کے چاروں طرف سے مبلغین کی مانگ آنے والی ہے اور مبلغین کا کام بہت وسیع ہونے والا ہے۔ ابھی ابھی ایک جگہ سے دس مبلغین کی اور دوسری جگہ سے بارہ مبلغین کی مانگ آئی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو اس سے زیادہ کی ضرورت ہے کیونکہ مانگنے والا ڈرتا ہے کہ کہیں زیادہ مطالبہ سے کام نہ بگڑ جائے۔ بے شک انہوں نے اس وقت بارہ مبلغوں کا مطالبہ کیا ہے لیکن جب ہم ان کو بارہ مبلغ دے دیں گے تو وہ کہیں گے اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ چوبیس مبلغ دے دیں تو پھر کام ہو جائے گا۔ جب چوبیس مبلغ دے دیئے جائیں گے تو پھر کہیں گے کہ ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکا اور اندازہ کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اگر آپ چھتیس مبلغ ہمیں دے دیں

توکام ہو جائے گا۔ جب ان کو چھتیس مبلغ دے دیئے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم سے غلطی ہو گئی تھی۔ اصل میں سَو مبلغوں کی ضرورت ہے اگر آپ سَو مبلغ دے دیں تو پھر یہ کام ضرور ہو جائے گا۔ آخر ملکوں میں تغیر پیدا کرنا اور ان کے مذہب کو بدلنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے بہت بڑی جد وجہد اور بہت بڑی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور غیر ممالک کی جماعتوں کا تو ہمیں یہ بھی فائدہ ہے کہ وہ تبلیغ کا خرچ خود اٹھاتی ہیں اور ہم پر بار نہیں بنتیں اور بعض ملک مبلغین کا کرایہ وغیرہ بھی خود برداشت کرتے ہیں۔ ہمارا کام صرف ایسے آدمی بھیجنا ہوتا ہے جو وہاں جا کر کام کریں۔ شام، فلسطین اور مصر سے جو آمد ہوتی ہے وہ ہماری اس رقم سے جو ہم ان کے لئے خرچ کرتے ہیں کم نہیں ہوتی اور ہمیں کچھ اپنے پاس سے ادا نہیں کرنا پڑتا۔ گویا وہ حقیقت میں آپ ہی اپنی رقم خرچ کرتے ہیں۔ پس اس وقت ایسے تعلیمیافتہ آدمیوں کی ضرورت ہے جو غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجے جا سکیں۔ جیسا کہ مَیں نے تحریک جدید کے شروع میں کہا تھا کہ اس کے کاموں کو چلانے کے لئے بہت سے آدمیوں کی ضرورت ہو گی۔ روپیہ پیدا کرنے کے لئے بھی آدمیوں کی ضرورت ہے، تبلیغ کرنے کے لئے بھی آدمیوں کی ضرورت ہے، صنعت و حرفت کرنے کے لئے بھی آدمیوں کی ضرورت ہے، تجارت کے کاموں کو چلانے کے لئے بھی آدمیوں کی ضرورت ہے۔ پس آج آدمیوں کی ہمیں سخت ضرورت ہے لیکن ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو مخلص اور تعلیم یافتہ ہوں۔ تعلیم کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے نزدیک سکولوں اور کالجوں میں لڑکوں کی تعداد آٹھ دس گنے بڑھ جانی چاہیئے تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے سکول نے پہلے سے ترقی کی ہے۔ آج سے چھ سات سال پہلے ہمارے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں چھ سات سو کے قریب طالب علم تھے اور اب اس میں سولہ سو سے کچھ اوپر طالب علم ہے لیکن درحقیقت جماعت کی ضرورتوں کے مطابق یہ ترقی کچھ بھی ترقی نہیں ہے۔ مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ ہمارے کالج میں جو احمدی لڑکے داخل ہوئے ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جو تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوئے ہیں۔ کل کو احمدی والدین کالج کے پروفیسروں پر الزام لگائیں گے کہ انہوں نے ہمارے بچوں کو کچھ پڑھایا نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے لڑکے خود تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوئے ہیں۔

اس نکھد 3 ڈویژن کے پاس شدہ لڑکوں کے فیل ہونے پر پروفیسروں پر کیاالزام آسکتاہے۔ مَیں نے جماعت کے دوستوں کو بار بار توجہ دلائی ہے کہ والدین کو بچپن میں بچوں کی پوری نگرانی کرنی چاہیئے۔ جو والدین بچوں کی نگرانی نہیں کرتے اور ان کی تعلیم کی فکر نہیں کرتے وہ قتلِ اولاد نہیں کرتے تو اَور کیا کرتے ہیں۔ یہ قتلِ اولاد نہیں تو اَور کیا ہے کہ انسان بچوں کی محبت کی وجہ سے ان کو تعلیم سے غافل رکھے۔ صرف کامیابی ہی مقصود نہیں ہوتی، جنت میں جانے والا انسان ادنیٰ درجہ میں جائے تو اس پر اسے خوش ہونا نہیں چاہیئے۔ جو بچوں کی روحانی تربیت مکمل نہیں کرتے ان کی اولاد جنت میں گئی تو ادنیٰ درجہ کی جنت میں جائے گی۔ اور جو تعلیم میں غفلت کرتے ہیں ان کی اولاد کے لئے دنیاوی جنت میں سوائے چپڑاسیوں کی جنت کے اَور کوئی جگہ نہیں ہے۔ پس ایسے لوگوں کے لئے نہ دنیا میں عزت ہے اور نہ آخرت میں۔

ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول نے درس کے دوران میں بیان فرمایا کہ دوزخ عارضی چیز ہے اور کچھ مدت کے بعد دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور انہیں اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کر دے گا۔ (جیسا کہ جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے) ایک امیر آدمی بھی اس درس میں شامل تھا کہنے لگا مولوی صاحب! جَزَاكَ اللهُ۔ پہلے اس بات کا علم نہ تھا اور ڈر رہتا تھا کہ ہمیشہ کی دوزخ میں پڑیں گے۔ اب یہ بات سن کر سر سے بوجھ اُتر گیا ہے کہ آخر تو سب جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ مَیں تمہیں پچیس روپے دیتا ہوں تم باہر نکل کر پانچ جوتیاں کھالو۔ اس پر وہ بہت سٹ پٹایا اور کہنے لگا مولوی صاحب! شرم کی بات ہے، آپ نے غصہ ہو کر ان طالب علموں میں میری بے عزتی کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں ان طالب علموں کے سامنے اتنی بات پر اعتراض ہے تو جہاں تمہارے باپ دادے، پڑدادے سب جمع ہوں گے اور دوزخ میں تمہیں سب کے سامنے پچاس ہزار سال تک جوتیاں پڑیں گی کہ تم دوزخ کے عارضی ہونے پر خوش ہو گئے ہو وہاں تمہیں شرم نہ آئے گی؟ لیکن ہمارے لوگ کہتے ہیں شکر ہے لڑکا پاس تو ہو گیا ہے۔ ان کو یہ علم نہیں کہ جوں جوں تعلیم آگے چلتی ہے مشکل ہوتی چلی جاتی ہے۔ سکولوں کا نتیجہ عام طور پر ستّر یا بچھتر فیصدی ہوتا ہے لیکن کالج میں جاکر وہی نتیجہ پینتالیس فیصدی ہو جاتا ہے حالانکہ کالج میں پڑھنے والے تو وہی طلباء

ہوتے ہیں جو ان سکولوں سے جاتے ہیں۔ جہاں ان کا نتیجہ ستّر یا پچھتر فیصدی ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب علم کالج میں جاکر کُند ذہن ہو جاتے ہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ معیارِ تعلیم بلند ہو جاتا ہے۔ پس جو لڑکا پہلے ہی سکول میں تھرڈ ڈویژن میں پاس ہونے کا عادی ہو وہ کالج میں جاکر کیا ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے میں تو پھر بھی بعض لڑکے فرسٹ ڈویژن حاصل کرتے ہیں لیکن ایم۔ اے میں جاکر فرسٹ ڈویژن حاصل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض یونیورسٹیاں ایسی ہیں کہ جن میں آج تک کوئی طالب علم ایم اے کا فرسٹ ڈویژن میں پاس نہیں ہوا۔ ہمارا ایک احمدی لڑکا ہے اس نے انٹرنس (Intrance) میں ریکارڈ قائم کیا ہے۔ ایف اے میں بھی ریکارڈ قائم کیا ہے۔ بی۔ اے میں بھی ریکارڈ قائم کیا۔ سنا گیا ہے کہ جب وہ لڑکا ایم۔ اے میں آیا تو ہندو پروفیسروں نے غصے سے اسے کہا کہ دیکھو! ہم تمہاری خبر لیں گے۔ وہ اب شاید کوئی الزام لگا کر خبر لیں گے۔ لیکن اس سال خبر آئی ہے کہ ایک ہندو لڑکے کو انہوں نے سو فیصدی نمبر دیئے ہیں تاکہ آئندہ کوئی لڑکا یہ نہ کہہ سکے کہ اس نے ریکارڈ قائم کیا ہے۔ اگر سو فیصدی نمبر بھی حاصل کرلے گا تو اتنے نمبر لینے والا ایک لڑکا پہلے موجود ہو گا۔ اگر یہ بات درست ہے تو اس طرح انہوں نے اس احمدی لڑکے کا رستہ بند کر دیا ہے۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ جوں جوں طالب علم کالج کی اوپر کی کلاسوں میں جاتا ہے تعلیم سخت ہوتی جاتی ہے۔ اگر انٹرنس سے ہی طلباء تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوں تو وہ ایف۔ اے میں جاکر فیل ہو جائیں گے۔ اور اگر کچھ طالب علم پاس بھی ہو جائیں تو وہ بی۔ اے میں جاکر فیل ہو جائیں گے۔ وہ شخص جو اپنے لڑکے کے تھرڈ ڈویژن میں پاس ہونے پر خوش ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے گنّا چھیلیں تو رَس تو ہمارا دشمن لے جائے اور چھلکا ہم لے آئیں۔ جس کا کچھ حصہ ہم جلا دیں اور کچھ حصہ سے پچھی 4 وغیرہ بنالیں۔ تم خود ہی بتاؤ کہ کون فائدہ میں رہا۔ ہم یا ہمارا دشمن؟ ہم دشمن کا مقابلہ اسی صورت میں کر سکتے ہیں جبکہ ہم اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ خالی تھرڈ ڈویژن میں کسی بچے کا پاس ہو جانا کوئی خوشی کی بات نہیں بلکہ اس بات پر خوش ہونا بھی بہت شرم کی بات ہے۔ تعلیم کی کمی کی ذمہ داری صرف والدین اور جماعت پر ہی نہیں بلکہ سکول والوں پر بھی ہے کیونکہ لڑکے دن کا اکثر حصہ سکول میں گزارتے

ہیں۔ سکول والے کیوں ان کی نگرانی نہیں کرتے اور کیوں ان کو محنت سے کام کرنے کی تاکید نہیں کرتے؟ والدین تو ان اوقات میں اپنے بچوں کی نگرانی نہیں کر سکتے۔ پس میرے نزدیک بہت حد تک اس معاملہ میں سکول پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس نے کیوں نگرانی نہیں کی۔ بلکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ ننانوے فیصدی ذمہ داری اس کی اساتذہ پر ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارے سکول کے طالب علم نکمے ہوتے ہیں لیکن آریہ سکولوں کے طالب علم ہوشیار ہوتے ہیں۔ کیا احمدی گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے نَعُوْذُ بِاللّٰہ ان پر نحوست چھا جاتی ہے؟ کیا احمدی گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے ان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے؟ مَیں اس بات کو کبھی مان نہیں سکتا کہ بچوں کے دماغ اچھے نہیں بلکہ مَیں کہتا ہوں تمہاری دس سال کی پڑھائی نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ جب وہ لڑکا قادیان میں رہتا ہے، اس کے والدین بھی قادیان میں رہتے ہیں تو جب وہ لڑکا سکول سے غیر حاضر ہوتا ہے استاد کیوں سو رہتے ہیں؟ کیوں اس کے والدین کو نہیں کہتے کہ تمہارے لڑکے میں فلاں خرابی ہے اس کو دور کرو۔ کیوں استادوں پر افیون کھانے والے کی سی حالت طاری رہتی ہے؟ اور کیوں نہیں وہ پانچویں چھٹے دن بولتے کہ ان لڑکوں میں یہ خرابی ہے؟ اور کیوں مقامی لڑکوں کے والدین کے سامنے اس بات کا ذکر نہیں کرتے؟ اور جو لڑکے بورڈر ہیں ان کے تو وہ خود ذمہ دار ہیں۔ ان کے والدین نے انہیں ان کے سپرد کیا ہے وہ ان کی تعلیم اور ان کے اخلاق کے ذمہ دار ہیں۔ پس بورڈروں کے لئے ان کے پاس کیا بہانہ ہے؟ کیونکہ وہ تو چوبیس گھنٹے انہی کے پاس رہتے ہیں۔ ایسے بہانے کرنے سے تو بہتر ہے کہ زمین پھٹ جائے اور یہ بہانے کرنے والے اس میں سما جائیں۔ اگر بے حیائی سے کام لیا جائے تو اَور بات ہے لیکن اگر یہ استاد لڑکوں کی نگرانی کرنا چاہتے تو کیا وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے؟ اور جو لڑکے باوجود ان کے سمجھانے کے اپنی اصلاح نہ کرتے وہ ان کے والدین سے کہتے اگر وہ بھی اصلاح کے لئے کوشش نہ کرتے تو مقامی انجمن سے کہتے۔ بار بار جلسے کرتے اور ان کے والدین کو توجہ دلاتے۔

ہٹلر نے دس سال میں اپنی قوم کے خیالات بدل ڈالے اور ان میں ایک ایسی روح بھر دی کہ وہ اس کے لئے جان پر کھیلنے کو تیار ہو گئے۔ ہر ایک بات کا انتظام خلیفہ یا انجمن کرے یہ نہیں ہو سکتا۔ آخر یہ اساتذہ کس مرض کی دوا ہیں؟ ان کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کہتے ہیں کہ

دو پوستی ایک بیری کے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے پاس سے ایک سپاہی گزرا تو ان میں سے ایک نے اس سپاہی کو آواز دی۔ میاں سپاہی! خدا کے واسطے میری بات سننا۔ سپاہی سمجھا کہ کوئی بے چارہ مصیبت میں مبتلا ہو گا۔ جب وہاں گیا تو دیکھا کہ دو آدمی وہاں لیٹے ہوئے ہیں۔ سپاہی نے ان سے پوچھا کیوں بھئی! تم نے مجھے کس لئے بلایا ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا۔ میاں سپاہی! تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ یہ بیر جو میری چھاتی پر پڑا ہے ذرا تکلیف کر کے میرے منہ میں ڈال دینا۔ سپاہی کو بہت غصہ آیا۔ ایک تو بات ہی غیر معقول تھی اور دوسرے وہ تھا بھی سپاہی۔ اس نے اسے گالیاں دینی شروع کیں۔ خبیث، بدمعاش، تُو نے مجھے سو گز سے بلایا۔ کمبخت! تیرے ہاتھ موجود نہیں کہ تُو چھاتی سے بیر اٹھا کر منہ میں ڈال لے۔ اس کا ساتھی بولا میاں سپاہی! یہ ایسا کمبخت ہے کہ اس کی بات کچھ نہ پوچھو ساری رات کُتّا میرا منہ چاٹتا رہا ہے اس نے ہشت تک نہیں کی۔ یہی حال ہمارے ان اساتذہ کا ہے۔ ہر کام میں کہتے ہیں کہ انجمن کچھ نہیں کرتی، خلیفہ ہماری مدد نہیں کرتا۔ ان سے کوئی پوچھے کہ پڑھانا تم نے ہے یا ہم نے؟ کیا ہمارے پاس کوئی اور کام نہیں ہے ہم اپنے محکموں میں کام کریں یا تمہارا کام کریں؟ یہ تمہارا فرض تھا کہ اگر لڑکے کام نہیں کرتے تھے تو تم ان کے ماں باپ کو بلاتے اور ان کو ان کے حالات سے آگاہ کرتے۔ محلّوں میں جلسے کرتے اور ان کو اس کی طرف متوجہ کرتے۔ آخر محبت اور پیار کے ساتھ ہزاروں باتیں ہو جاتی ہیں پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ تم ان کو محبت اور پیار سے بار بار کہتے، ان کے والدین کو توجہ دلاتے تو وہ لڑکے سُدھر نہ جاتے۔ اگر بفرضِ محال بار بار توجہ دلانے کے بعد بھی کچھ رہ جاتے جو اس طرف متوجہ نہ ہوتے تو پھر تم ان کو قواعد کے مطابق سزائیں دیتے۔ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن وہ چاہتے ہیں کہ آرام سے بیٹھے رہیں اور ان کا کام کوئی اَور کر دے۔ پس میرے نزدیک اس کی کُلّی طور پر ذمہ داری سکول کے عملہ پر ہے اور کالج کے لڑکوں کی ذمہ داری کالج کے عملہ پر ہے۔ اگر سکول یا کالج کا نتیجہ خراب ہو اور کالج یا سکول کا عملہ اس پر عُذر کرے تو مَیں تو کہوں گا یہ منافقانہ بات ہے۔ اگر لڑکے ہوشیار نہیں تھے، اگر لڑکے محنت نہ کرتے تھے اور اگر لڑکے پڑھائی کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے تو ان کا کام تھا کہ وہ ایک ایک کے پاس جاتے اور ان کی اصلاح کرتے۔ اگر وہ متوجہ نہ ہوتے تو ان کے

والدین کو اس طرف متوجہ کرتے اور ان کو مجبور کرتے کہ وہ تعلیم کو اچھی طرح حاصل کریں۔

ہماری جماعت کے لئے اعلیٰ تعلیم کا حصول اب نہایت ضروری ہے۔ اگر ہم میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہوں گے تو ساری سکیم فیل ہو جائے گی کیونکہ کام پر کام نکل رہے ہیں جس کی وجہ سے مانگ پر مانگ آرہی ہے۔ صنعت و حرفت کا محکمہ ہے۔ اس کے ماتحت محکمہ والے نئی نئی سکیمیں بنا کر لاتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں اس کے لئے آدمی لاؤ مگر چونکہ آدمی نہیں ہوتے اس لئے سکیم رہ جاتی ہے۔ اگر پچاس سکیموں کے چلانے کا اس وقت موقع ہوتا ہے تو آدمیوں کی قلت کی وجہ سے بمشکل ایک یا دو سکیمیں چلتی ہیں اور اس طرح ایک دن کا کام بیس پچیس دن میں ہوتا ہے۔ پس ہمیں آدمیوں کی ضرورت ہے اور آدمیوں کی ضرورت کا ایک حصہ ماں باپ پورا کرسکتے ہیں اور دوسرا حصہ سکول اور کالج کے لوگ پورا کرسکتے ہیں۔ جامعہ احمدیہ، مدرسہ احمدیہ اور دوسرے باہر کے احمدیہ مدارس اس حصہ کو پورا کرسکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ صحیح رنگ میں کوشش کریں اور اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ اگر آدمی نہ ملے تو لڑائی کس طرح لڑی جاسکتی ہے۔ آخر یہ تو بات نہیں کہ پھونکیں مارنے سے کام ہو جائے گا۔ ہماری جماعت کی موجودہ حالت میں آدمیوں کے نہ ملنے کی وجہ سے ویسی ہی مثال ہے جیسے بخارا میں مولویوں نے کیا۔ جب روس نے بخارا پر حملہ کیا تو مولویوں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ آگ سے عذاب دینا منع ہے اور چونکہ توپوں میں آگ استعمال ہوتی ہے اور بندوقوں میں بھی۔ اس لئے جو شخص توپ اور بندوق استعمال کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اس وجہ سے بخارا والوں نے ان کے مقابل پر توپیں اور بندوقیں نہ بنائیں۔ جب روس نے حملہ کر دیا تو چونکہ بخارا والے توپیں اور بندوقیں نہیں چلا سکتے تھے اس لئے وہ تلواریں اور نیزے لے کر میدانِ جنگ میں ان کے مقابل پر آئے۔ ان کے میدانِ جنگ میں آنے پر توپچیوں نے گولے برسانے شروع کر دیئے۔ بھلا توپ کے آگے تلوار کا کیا کام۔ دو تین گولوں سے ہی کئی آدمی مارے گئے اور باقی سب ڈر کر بھاگ آئے اور انہوں نے علماء کو کہا کہ وہ تو قابو نہیں آتے، بہت سخت ہیں۔ علماء نے کہا اچھا ہم وہ آلے لے کر جن سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑے جاتے ہیں جائیں گے اور کافروں کے پاؤں میں ڈال ڈال کر ان کو کھینچیں گے۔ چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے قرآن کریم کی آیتیں

پڑھ پڑھ کر ان کی طرف پھونکیں مارنی شروع کر دیں۔ ابھی دو چار گولے ہی پڑے تھے کہ مولوی بھاگ نکلے اور میدان صاف ہو گیا۔ واپس آ کر کہنے لگے کہ بہت خبیث شیطان معلوم ہوتے ہیں جن پر قرآن بھی اثر نہیں کرتا۔ ہماری جماعت کو ہر ایک عقلمند تسلیم کرتا ہے اور سب کو یہ اعتراف ہے کہ یہ عقلمندوں کی جماعت ہے۔ پھر بھی عقل و شعور رکھتے ہوئے معلوم نہیں کیوں جماعت ان مولویوں کی طرح اپنی جہالت کا ثبوت مہیا کر رہی ہے۔ آخر جماعت کو عقلمندی سے کام لینا چاہئے۔ جہاں روپے کی ضرورت ہے وہاں ہماری جماعت کو روپیہ دینا پڑے گا، جہاں آدمیوں کی ضرورت ہے وہاں ہماری جماعت کو آدمی پیدا کرنے ہوں گے۔ روس کو دیکھو۔ انہیں آدمیوں کی ضرورت تھی۔ جنگ سے پہلے روس کی آبادی سترہ کروڑ تھی۔ اڑھائی کروڑ کی آبادی انہوں نے "لبھی چیز خدا دی نہ دھیلے دی نہ پا دی" کے مقولہ کے مطابق مختلف علاقوں پر قبضہ کر کے بڑھالی۔ یہ بیس کروڑ ہو گئے۔ جنگ میں اس کے ایک کروڑ کے قریب لوگ مر گئے لیکن پانچ کروڑ کی نئی نسل انہوں نے پیدا کر لی ہے اور اب روس کی آبادی کا اندازہ 24، 25 کروڑ کا ہے۔ گویا ایک کروڑ آدمی کے مرنے کے باوجود بھی انہوں نے اپنے ملک کی آبادی بڑھالی ہے۔ یہ زندہ قوموں کی علامت ہے۔ بعض لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ بچے ہوں تو خرچ کس طرح چلے گا اس لئے نسل کم کی جائے لیکن زندہ قومیں اس کی پروا نہیں کرتیں۔ وہ کہتے ہیں ہمیں آدمیوں کی ضرورت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کمی کو پورا کریں۔ اسی طرح اگر تعلیم یافتہ آدمیوں کی ضرورت ہو تو پھر وہ اس کمی کو پورا کرتی ہیں۔ اگر تجارت اور صنعت و حرفت کی ضرورت ہو تو اس طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔ غرض جس چیز کی بھی ضرورت ہو زندہ قومیں فوراً اس طرف متوجہ ہو کر اس کمی کو پورا کر لیتی ہیں۔ اور درحقیقت بیداری کے معنے یہی ہیں کہ جہاں کہیں سوراخ ہو اس کو بند کر دیا جائے۔ مگر یہاں یہ حالت ہے کہ استاد کہتے ہیں، والدین اس طرف متوجہ نہیں ہوتے اور والدین کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے لڑکے ان کو سونپ دیئے ہیں اب ان کا فرض ہے کہ وہ ان کی اصلاح کریں۔ اور والدین کا یہ کہنا ایک حد تک صحیح بھی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی اولاد ان کے سپرد کر دی ہے۔ اب استادوں کا کام ہے کہ ان کی طرف متوجہ ہوں اور ان کی اصلاح کریں۔ اگر ان کی اصلاح نہیں ہوئی اور

اگر وہ اپنا کام صحیح طور پر نہیں کرتے اور نالائق ثابت ہوتے ہیں تو یہ ان اساتذہ کی نالائقی کا ثبوت ہوگا۔ اساتذہ کو تو چاہئے تھا کہ وہ لڑکوں اور ان کے والدین کو بار بار سمجھاتے۔ کبھی کسی محلے میں جلسے کرتے اور کبھی کسی محلہ میں۔ جس محلہ میں جلسہ کرتے اس محلہ کے طالب علموں کے والدین کو بلاتے اور انہیں بتلاتے کہ آپ کا لڑکا اتنے دن سکول سے غیر حاضر رہا ہے۔ اس میں یہ یہ کمزوری اور خامی ہے۔ اس طرح والدین کو بھی ان کی کمزوری اور خامی کا علم ہوتا۔ اگر تم اس طرح نہیں کرتے تو والدین کو کیا پتہ کہ وہ روزانہ سکول کا کام کرتا ہے یا نہیں۔ یا جو کام اس کو سکول سے ملا ہے اس نے کیا ہے یا نہیں۔ اگر والدین کو ان کی ان خامیوں کا علم ہو تو وہ پھر اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ شروع میں شاید نہ بھی ہوں لیکن تم انہیں اس بات پر مجبور کر دو کہ یا تو ہمیں اجازت دو کہ ہم مار پیٹ کر ان کی اصلاح کریں اور یا پھر خود ان کو باقاعدہ بناؤ۔ اس طرح یقیناً لڑکے سُدھر جائیں گے۔

دیکھو! جب چندے کی تحریک شروع ہوئی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اسے ایک پیسہ سے شروع کیا تھا مگر اب کم ہی ایسے ہوں گے جو چندہ نہ دیتے ہوں یا جو چندوں میں سُستی کرتے ہوں ورنہ اکثریت ہماری جماعت میں ایسے ہی لوگوں کی ہے جو دو آنے فی روپیہ یا تین آنے فی روپیہ یا چار آنے فی روپیہ بلکہ پانچ آنے فی روپیہ تک چندہ دے دیتے ہیں۔ (یعنی چندہ عام اور دوسرے چندے تحریک جدید وغیرہ کے ملا کر) یہ سب ترقی آہستہ آہستہ ہوئی ہے۔ مَیں مانتا ہوں کہ یکدم کوئی تغیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ تمہارا کام تھا کہ تم جلسے کرتے، والدین کو توجہ دلاتے، بار بار محلوں میں جاتے اور لوگوں کو بتاتے کہ ہمارے سکول کا نتیجہ خراب ہوتا ہے، ہمیں شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے آپ لوگ کیوں اپنے بچوں کی نگرانی نہیں کرتے؟ کیوں ان کی پڑھائی کی طرف توجہ نہیں رکھتے؟ کیوں وہ آوارگی کی طرف مائل رہتے ہیں؟ یا تو آپ اس کا انتظام کریں یا ہمیں سزا کی اجازت دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اساتذہ کے لئے کوئی نہ کوئی رستہ ضرور نکل آئے گا یا تو والدین اس کی خود اصلاح کریں گے یا ان کو سزا کی اجازت دے دیں گے۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ ہمیں تعلیم یافتہ آدمیوں کی ضرورت ہے سکول والے ہمارے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے عدمِ تعاون کر رہے

ہیں اور ہماری امداد کرنے کی بجائے انہوں نے سٹرائیک کی ہوئی ہے۔ جو نکمے اور نکھد لڑکے ہوتے ہیں وہ ہمیں دیتے ہیں۔ نہ وہ تعلیمی لحاظ سے اچھے ہوتے ہیں، نہ ان کو محنت کی عادت ہوتی ہے۔ جب ان کو کسی کام پر لگایا جاتا ہے تو وہ بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ معاہدے پر دستخط کرتے ہیں پیاسا رہوں گا، ایک پیسہ تک سلسلہ سے نہ لوں گا، جنگلوں میں جاؤں گا، پہاڑوں میں جاؤں گا، جہاں جانا پڑے مجھے کوئی عذر نہ ہو گا، اپنی جان و مال اور عزت کی قربانی کروں گا۔ لیکن جب اس کو کسی جگہ مقرر کیا جاتا ہے تو وہاں سے بھاگ جاتا ہے اور ساتھ ہی خط بھی لکھ دیتا ہے کہ چالیس روپے میں گزارہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے مَیں اس کام کو چھوڑنے پر مجبور ہوں۔ مجھے معاف کیا جائے اور مجھے واقفین میں ہی سمجھا جائے۔ کُجا وہ وعدہ جو اس نے ہمارے ساتھ کیا تھا اور کُجا اس کا یہ فعل۔ ایک واقف نے لکھا کہ مَیں اداس ہو گیا تھا اور وہاں میرا دل نہیں لگتا تھا اس لئے مَیں وہاں سے گھر آ گیا ہوں مجھے معاف کیا جائے۔ امید ہے کہ میرے وقف کو توڑا نہیں جائے گا۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ ایسے شخص کا وقف کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ میدان سے بھاگ کر اپنے ماں باپ کی بغل میں بیٹھا رہے یا بیوی کے پاس وقت گزارے اور اس کا وقف بھی قائم رہے یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے۔ ہر واقف مجاہد ہے اور مجاہد پر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی ذمہ داریاں ڈالی ہوئی ہیں۔ ان کو پورا کرنے والا ہی مجاہد کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک نوجوانوں میں محنت سے کام نہ کرنے کی عادت کی ذمہ داری استادوں اور والدین پر عائد ہوتی ہے کہ کیوں انہوں نے بچوں کو محنت اور مشقت کا عادی نہیں بنایا۔

ہمارا مقابلہ تو اُن قوموں سے ہے جن کے نوجوانوں نے چالیس پچاس سال تک شادی نہیں کی اور اپنی عمریں لیبارٹریوں میں گزار دیں اور کام کرتے کرتے میز پر ہی مر گئے اور جاتے ہوئے بعض نہایت مفید ایجادیں اپنی قوم کو دے گئے۔ مقابلہ تو ایسے لوگوں سے ہے کہ جن کے پاس گولہ بارود اور دوسرے لڑائی کے ہتھیار نہ رہے تو انہوں نے امریکہ سے ردّی شدہ بندوقیں منگوائیں اور انہی سے اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انگلستان والوں نے کہا کہ بے شک جرمن آجائے ہم اس سے سمندر میں لڑیں گے۔ اگر سمندر میں لڑنے کے قابل نہ رہے تو پھر اس سے سمندر کے کناروں پر لڑیں گے۔ اور اگر سمندر کے کناروں پر لڑنے

کے قابل نہ رہے تو ہم اس سے شہروں کی گلیوں میں لڑیں گے اور اگر گلیوں میں لڑنے کے قابل نہ رہے تو ہم گھروں کے دروازوں تک مقابلہ کریں گے اور اگر پھر بھی مقابلہ نہ کر سکے تو کشتیوں میں بیٹھ کر امریکہ چلے جائیں گے۔ مگر اس سے جنگ کرنا ترک نہیں کریں گے۔ ہمارا مقابلہ تو ایسے لوگوں سے ہے اور ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسے نوجوان دیئے جاتے ہیں جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم بھوکے رہیں گے، کہتے تو یہ ہیں کہ ہم جنگلوں اور پہاڑوں اور ویرانوں میں جائیں گے، کہتے تو یہ ہیں کہ ہم وطن سے بے وطن ہوں گے، کہتے تو یہ ہیں کہ ہم اپنی ہر ایک عزیز چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار رہیں گے لیکن جب ان کو کام پر لگایا جاتا ہے تو کوئی کہہ دیتا ہے کہ میرا چالیس روپے میں گزارہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے بھاگ آیا ہوں، کوئی کہہ دیتا ہے کہ میرا وہاں دل نہیں لگتا تھا اس لئے مَیں کام چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ اور ساتھ ہی لکھ دیتا ہے کہ سلسلہ میرے اس فعل پر بُرا نہ منائے اور میرا وقف قائم رکھا جائے۔ جاتا تو وہ اپنے ماں باپ یا بیوی کی معیت میں وقت گزارنے کے لئے ہے کیونکہ وہ اداس ہو گیا تھا لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ میرا وقف قائم رکھا جائے۔ ایسے نوجوان ہیں جو ہمیں دیئے جاتے ہیں۔ ان سے کسی نے کام کیا لینا ہے۔ ہمیں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے کہ جہاں ان کو کھڑا کیا جائے وہ وہاں سے ایک قدم بھی نہ ہلیں سوائے اس کے کہ ان کی لاش ایک فٹ ہماری طرف گرے تو گرے لیکن زندہ انسان کا قدم ایک فٹ آگے پڑے پیچھے نہ آئے۔ ہمیں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو قوموں کی بنیاد کا کام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہؓ کے متعلق فرماتا ہے کہ ان میں سے ہر آدمی کفن بردوش ہے مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ 5 کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام کی راہ میں اپنی جانیں دے دی ہیں اور کچھ انتظار کر رہے ہیں۔ یہ وقف ہے جو دنیا میں تغیر پیدا کیا کرتا ہے۔

پس اساتذہ اور والدین کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی پورے طور پر نگرانی کریں اور انہیں محنت کا عادی بنائیں۔ نماز، روزہ اور دیگر اسلامی احکام کا ان کو پابند کریں۔ دین کے کاموں کے متعلق ان کے اندر دلچسپی پیدا کریں۔ اساتذہ طالب علموں کے ماں باپ کو انگیخت کریں کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کا پورا پورا خیال رکھیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مائیں ہی اپنے بچوں کے

آئندہ اچھے یا بُرے مستقبل کی ذمہ دار ہوتی ہیں کیونکہ بچہ اکثر اخلاق چھوٹی عمر میں سیکھتا ہے۔ اگر مائیں کڑی نگرانی کریں اور ان کے اندر کوئی بری عادت پیدا نہ ہونے دیں تو وہ بڑے ہو کر بہت حد تک بری عادات سے محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن اگر بچپن میں ہی بچے کو چوری کی یا جھوٹ بولنے کی یا کوئی اَور بری عادت پڑ جائے اور والدین پیار کی وجہ سے اسے اس عادت سے باز نہ رکھیں تو وہ بڑا ہو کر اس عادت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ہمارے ملک میں مشہور ہے کہتے ہیں کہ کوئی ماں تھی اس کا لڑکا چور ہو گیا۔ پھر چور سے ڈاکو بنا۔ ایک دفعہ ڈاکہ میں اس سے قتل ہو گیا۔ اس قتل کی وجہ سے اسے پھانسی کی سزا ملی۔ جب اسے پھانسی دینے لگے تو اس نے کہا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ مَیں اپنی ماں سے ایک بات کر لوں۔ اس پر ماں کو بلایا گیا۔ جب وہ آئی تو اس نے کہا مَیں اس سے کان میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا اسی طرح کر لو۔ اس نے اپنا منہ ماں کے قریب لے جا کر زور سے اس کے کلّے کو کاٹا۔ ماں چیخیں مارتی ہوئی پیچھے کو بھاگی۔ لوگوں نے اس کو لعنت ملامت کی کہ تم بڑے بدکردار آدمی ہو، تمہیں پھانسی مل رہی ہے اور پھر بھی تم نے اس سے عبرت حاصل نہیں کی اور تمہارا دل نرم نہیں ہوا۔ اب تم نے ماں کے کلّے پر کاٹ کھایا ہے۔ اس نے کہا۔ آپ لوگوں کو علم نہیں کہ مجھ کو یہ پھانسی میری ماں کی وجہ سے مل رہی ہے۔ میرا کلّہ کاٹنا پھانسی کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل بات یہ ہے کہ میری ماں کو میری جگہ پھانسی ملنی چاہئے تھی۔ پھر اس نے بتایا کہ مَیں چھوٹا بچہ تھا لیکن آوارہ پھرا کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص میری ماں سے میرے متعلق کوئی شکایت کرتا تو میری ماں اس سے لڑتی تھی کہ میرا بچہ تو ایسا نہیں۔ یہ لوگ دشمنی سے ایسا کہتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں ان کو میرے بچے سے دشمنی ہو گئی ہے میرا بچہ تو نالائق نہیں۔ مَیں مدرسے سے پنسل، کاغذ، قلم، دوات وغیرہ چُرا کر لاتا تو میری ماں مجھے کہتی یہاں نہ رکھو کوئی دیکھ لے گا وہاں رکھو۔ اگر کوئی شخص میری چوری کے متعلق شکایت کرتا تو میری ماں اسے گالیاں دیتی کہ ناحق میرے بچے کو بدنام کر رکھا ہے۔ ان باتوں سے مَیں چور بنا اور پھر چور سے ڈاکو بنا۔ پھر ڈاکہ میں مجھ سے یہ قتل ہوا جس کی وجہ سے مجھے پھانسی پر لٹکایا جا رہا ہے۔ اس قتل کی ساری ذمہ داری میری ماں پر ہے۔ اس لئے اس کا کلّہ کاٹا جانے کی بجائے درحقیقت پھانسی کی سزا اسے ملنی چاہئے تھی نہ کہ مجھے۔

اسی طرح بعض لڑکے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہتے ہیں اور ماں باپ روکتے ہیں کہ زندگی وقف نہ کرو بلکہ کسی دوسری جگہ ملازمت کر لو۔ چندہ سے دین کی خدمت کرتے رہنا حالانکہ جہاں آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے وہاں چندہ سے کام نہیں بنتا۔ میرے نزدیک اس کی ایک حد تک ذمہ داری لجنہ اماء اللہ پر بھی ہے۔ اگر لجنہ اماء اللہ دین کی ضرورتوں اور وقف کی اہمیت کو اچھی طرح عورتوں کے ذہن نشین کرا دے تو سال کے اندر اندر جس طرح کہتے ہیں کہ زمین نے اپنا کلیجہ نکال کر باہر رکھ دیا اسی طرح عورتیں بھی اپنا کلیجہ نکال کر باہر رکھ دیں۔ عورتوں کا کلیجہ اولاد ہوتی ہے۔ اگر مائیں اپنے لڑکوں کو زندگی وقف کرنے اور دوسرے دینی کاموں میں حصہ لینے کی تحریک کریں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ بہت زیادہ نوجوان اپنے آپ کو وقف کرنے لگ جائیں۔

اسلامی تاریخ میں ایک واقعہ آتا ہے کہ اسلامی لشکر کو ایک جگہ کچھ شکست ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے تمام آدمی جو مہیا کئے جاسکتے تھے اس لشکر کی مدد کے لئے بھیج دیئے مگر لشکر پھر بھی کم تھا۔ ایرانی لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی اور مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی اور جس مقام پر یہ جنگ ہو رہی تھی اس مقام کے درمیان اور مدینے کے درمیان کوئی روک نہ تھی۔ اسلامی جرنیل نے اس وقت ایک تقریر کی کہ تم آج اسلام کے احیاء اور بقا کے ذمہ دار ہو۔ اگر تم آج شکست کھا گئے تو تمہارے اور مدینے کے درمیان کوئی فوج نہیں جو اس لشکر کو روک سکے۔ اگر دشمن یہاں سے نکل گیا تو سیدھا مدینے پر جا کر حملہ کرے گا۔ اس وقت خنساء نامی ایک مشہور شاعرہ عورت نے اپنے تینوں لڑکوں کو بلایا اور کہا۔ تمہارا باپ بدکار تھا۔ مَیں اپنے بھائی سے قرض لا لا کر اسے دیتی رہی۔ آخر وہ مر گیا اور تم چھوٹے چھوٹے رہ گئے۔ مَیں نے محنت مزدوری کر کے تمہیں پالا اور اپنی ساری زندگی پاکیزگی اور پاکدامنی سے گزاری اور تم ان تمام باتوں کے گواہ ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر خنساء نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ مَیں نے تمہیں بہت محنت و مشقّت سے پالا ہے۔ اور اس کے بدلے میں تم سے کوئی خدمت نہیں لی؟ انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔ پھر ماں نے کہا تم میرے تین بچے ہو اور تمہارے بغیر میرا دنیا میں کوئی نہیں اور میری محبت تمہاری خدمت سے ظاہر ہے۔ دیکھو! آج اسلام پر ایسا وقت ہے کہ اسے لڑائی کے لئے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے تم لڑائی میں جاؤ۔ اگر شام کو فتح پا کر لَوٹے تو

زندہ لَوٹنا نہیں تو تمہاری لاشیں میدانِ جنگ میں پڑی ہوئی نظر آئیں۔ اگر تم نے میرا یہ حکم نہ مانا تو مَیں قیامت کے دن تمہیں دودھ نہیں بخشوں گی۔ لڑکوں نے کہا۔ ہاں اماں ہمیں منظور ہے۔ یہ کہہ کر وہ روانہ ہوگئے۔6 سب سے بڑی مصیبت جو مسلمانوں کو اس جنگ میں پیش آئی وہ یہ تھی کہ ایرانی اس جنگ میں لڑائی کے سدھائے ہوئے ہاتھی مقابلہ پر لے آئے تھے۔ جب کوئی گھوڑا یا اونٹ ہاتھیوں کے سامنے آتا تھا تو بھاگ جاتا تھا۔ ایک مسلمان جرنیل آیا اور اس نے ان تینوں میں سے دو بھائیوں کو کہا کہ تم میرے ساتھ مل کر چلو۔ ہم سامنے سے ہاتھیوں پر حملہ کر دیں۔ گو موت یقینی ہے لیکن امید ہے کہ اس طرح باقی مسلمان بچ جائیں گے۔ انہوں نے کہا ہمیں منظور ہے۔ ہاتھی پر سامنے سے حملہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ جو لڑائی کے لئے سدھائے ہوئے ہاتھی ہوتے ہیں وہ آدمی کو سونڈ میں لپیٹ کر زمین سے اٹھا کر دے مارتے ہیں۔ انہوں نے جاتے ہی سردارِ لشکر کے ہاتھی پر حملہ کر دیا۔ دونوں بھائیوں میں سے ایک ہاتھی کے دائیں طرف ہو گیا اور دوسرا بائیں طرف اور وہ جرنیل خود سامنے کھڑا ہو گیا۔ جب سامنے سے جرنیل حملہ کرتا تو ہاتھی دائیں بائیں منہ پھیرتا۔ جب ہاتھی دائیں طرف منہ کرتا تو دائیں طرف والا اس کی سونڈ پر تلوار مارنے کی کوشش کرتا۔ ہاتھی اسے اپنی سونڈ سے اٹھا کر زمین پر دے مارتا۔ پھر جب ہاتھی بائیں طرف منہ کرتا تو دوسرا بھائی اس کی سونڈ پر تلوار مارنے کی کوشش کرتا۔ ہاتھی اسے بھی اپنی سونڈ سے اٹھا کر زمین پر دے مارتا لیکن وہ دونوں بھائی اس کے پہلوؤں سے نہ ہٹے حتّٰی کہ انہوں نے اسے بُری طرح زخمی کر دیا۔ آخر ہاتھی گھبرا کر پیچھے بھاگا۔ اس ہاتھی کا بھاگنا تھا کہ دوسرے اس کے ساتھ کے ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور ہاتھیوں کے بھاگنے سے دوسرے لشکر میں کھلبلی مچ گئی اور سارا ایرانی لشکر بھاگ نکلا اور اسلامی لشکر نے فتح پائی۔ پس یہ بھی عورتیں تھیں جنہوں نے اپنے بچوں کا میدانِ جنگ میں شہید ہونا پسند کیا اور ناکامی کی صورت میں ان کا منہ دیکھنا پسند نہ کیا۔ اور آج وہ عورتیں ہیں کہ بچوں کو زندگی قربان کرنے کی تعلیم دینا تو الگ رہا انہیں زندگی وقف کرنے سے روکتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عورتوں میں جذباتی رنگ بہت غالب ہوتا ہے۔ اگر ان کے جذبات سے اپیل کی جائے تو وہ نیکی میں کہیں سے کہیں نکل جاتی ہیں۔

ایک جنگ میں حضرت سعدؓ کمانڈر تھے۔ ان کو ایک نو مسلم سپاہی کے متعلق شکایت پہنچی کہ اس نے شراب پی ہے۔ حضرت سعدؓ نے اسے قید کر دیا۔ حضرت سعدؓ کے سُرین پر گمبھیر 7 تھا۔ اس لئے سواری پر نہ بیٹھ سکتے تھے۔ آخر عرشہ بنوایا گیا اور عرشے پر نیم دراز ہو کر حضرت سعدؓ احکام جاری فرماتے رہے۔ جہاں حضرت سعدؓ کا خیمہ تھا اس کے پاس ہی وہ سپاہی قید تھا۔ جس وقت لڑائی کے نعرے بلند ہوتے یا لڑائی کے میدان سے کوئی افسوسناک آواز آتی تو یہ نَو مسلم غصے کی وجہ سے زنجیر کو کھینچتا اور کہتا اے کاش! مَیں آج جنگ میں شریک ہوتا۔ کوئی مسلمان ایسا ہے جو مجھے آزاد کر دے گو مَیں گنہگار تو ہوں لیکن اسلام کا درد میرے سینے میں دوسروں سے کم نہیں۔ مگر مسلمان سپاہی اس کو آزاد کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ حضرت سعدؓ کی ناراضگی سے ڈرتے تھے۔ آخر ان کی بیوی نے کہا کہ خواہ کچھ ہو جائے مَیں اس کی زنجیر کھول دیتی ہوں۔ مجھ سے اس کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔ انہوں نے اس کی زنجیر کھول دی اور اسے آزاد کر دیا۔ وہ منہ پر نقاب ڈال کر مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔ مسلمان لشکر کے ساتھ مل کر وہ جس جگہ بھی حملہ کرتا باقی لشکر کے دل بھی بڑھ جاتے تھے۔ جب شام کو لڑائی بند ہوئی تو وہ بھاگ کر اپنی جگہ پر آ گیا اور حضرت سعدؓ کی بیوی نے اس کو پھر زنجیر لگا دی۔ حضرت سعدؓ کو شک پڑتا تھا کہ آج حملہ کے وقت فلاں آدمی معلوم ہوتا تھا کیونکہ حملہ تو اسی طرح کرتا تھا۔ پھر کہتے وہ تو قید ہے وہ نہیں کوئی اَور ہوگا۔ اگلے دن پھر جب لڑائی شروع ہوئی تو حضرت سعدؓ کی بیوی نے اسے کھول دیا اور وہ پھر مسلمان لشکر میں جا ملا اور نہایت شجاعت اور بہادری سے دشمن کے لشکر پر حملہ کرتا رہا۔ آخر شام کو جب مسلمانوں کو فتح ہوئی اور حضرت سعدؓ کو شک پڑ گیا کہ حملہ کے وقت مجھے وہی سپاہی معلوم ہوتا تھا جسے مَیں نے قید کیا ہوا ہے۔ بیوی سے کہا تمہاری شرارت معلوم ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم نے اسے کھول دیا تھا۔ مَیں تمہیں قانون شکنی کی سزا دوں گا۔ بیوی نے کہا آپ جو سزا چاہیں مجھے دیں لیکن میری غیرت نے یہ برداشت نہ کیا کہ میرا خاوند تو محض لڑائی کا نظارہ دیکھتا رہے اور جس شخص کو اسلام کا اس قدر درد ہو کہ وہ لڑائی کی آوازوں پر زنجیر کو توڑنے کی کوشش کرے اسے اس طرح قید رکھا جائے۔ بیوی کی یہ دلیرانہ بات سن کر حضرت سعدؓ کا غصہ جاتا رہا اور انہوں نے اس

نومسلم کو معاف کر دیا۔**8**

پس عورتوں میں جذباتی رنگ غالب ہوتا ہے۔ لجنہ اماء اللہ کا فرض تھا کہ وہ عورتوں کے سامنے بیان کرتی کہ آج اسلام کو ان کے نوجوان لڑکوں کی ضرورت ہے، آج اسلام کو ان کے خاوندوں کی ضرورت ہے، آج اسلام کو مالوں کی ضرورت ہے اور ان کا فرض ہے کہ وہ ہر چیز بِلا دریغ پیش کر دیں۔ اگر یہ طریق اختیار کیا جاتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ جو ایمان میں کمزور تھے وہ بھی اعلیٰ اخلاص کا نمونہ پیش کرتے۔ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ مجھے تو میری بیوی نے پختہ احمدی بنایا ہے۔ جب مَیں تنخواہ لے کر آتا تو وہ مجھے کہتی کہ کیا آپ چندہ دے آئے ہیں؟ مَیں کہتا کل دے دوں گا تو وہ کہتی مَیں اس مال سے کھانا نہیں پکاؤں گی۔ اس پر بسا اوقات مجھے آدھی آدھی رات کو جا کر چندہ دینا پڑا اور جب مَیں رسید دکھاتا تب وہ کھانا پکاتی، نہیں تو کہہ دیتی کہ مَیں حرام روپیہ سے کھانا نہیں پکاؤں گی۔ پس اگر عورتیں ہمارا ساتھ دیں اور وہ بچوں سے کہیں کہ اگر تم زندگی وقف نہ کرو گے، اگر تم اپنے اندر دینداری پیدا نہ کرو گے تو مَیں تمہیں اپنا دودھ نہیں بخشوں گی اور مَیں خدا سے کہوں گی کہ اس نے میرا حق ادا نہیں کیا، میرا بیٹا میرا عاق ہے اس نے میرا کہا نہیں مانا تو تھوڑے ہی عرصے میں کایا پلٹ سکتی ہے۔ اگر مائیں یہ طریق اختیار کریں تو ننانوے فیصدی لڑکوں کی اصلاح ہو جائے اور ننانوے فیصدی لڑکے تعلیم میں تیز ہو جائیں اور ان کے اندر بیداری اور قربانی کی روح پیدا ہو جائے۔

مَیں اس موقع پر جماعت کی عورتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے لڑکوں کو تحریک کریں کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف کریں اور جن لڑکوں کو سلسلہ قبول نہیں کرتا ان کو تحریک کریں کہ وہ اپنے خرچ سے بچا ہوا روپیہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے دیں۔ اگر ان کے لڑکے اس کام کے لئے تیار نہ ہوں تو ہر ماں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بیٹے سے کہہ دے کہ تم نے میرا حق ادا نہیں کیا اور مَیں قیامت کے دن خدا کے سامنے تمہارے متعلق کہہ دوں گی کہ یہ میرا نافرمان بیٹا ہے اس نے میرا کہا نہیں مانا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ سلسلہ کے کاموں کو عظیم الشان طور پر چلانے کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن ہم اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک عورتیں ہمارے ساتھ تعاون نہ کریں۔ جس دن عورتیں یہ طریق اختیار کریں گی

تم سمجھ لو کہ لڑکوں کی اصلاح کرنا بہت آسان ہو جائے گا اور وہ زندگی کے ہر شعبہ میں بیداری سے کام کرنے لگیں گے۔ پس تعلیم کی ترقی ہماری جماعت کے لئے از حد ضروری ہے۔ تعلیم انسان کو صحیح راستہ تلاش کرنے اور حقیقت کے سمجھنے میں بہت مدد دیتی ہے اور جو کام بھی انسان کرے اس کے لئے اس میں آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ ایک دوست نے ذکر کیا کہ میرا دادا احمدی تھا لیکن باپ غیر احمدی۔ مَیں نے خیال کیا کہ میرا دادا بزرگ آدمی تھا وہ ناحق پر نہیں ہو سکتا۔ کوئی صداقت ضرور ہو گی جس کی وجہ سے اس نے احمدیت کو قبول کیا۔ چنانچہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی کتب کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور مَیں احمدی ہو گیا۔ اب یہ نتیجہ اس کی تعلیم کا نکلا۔ اگر غیر تعلیم یافتہ ہوتا تو اسے ایسا خیال بھی نہ آتا۔ خیال آتا تو اَن پڑھ ہونے کے سبب سے کتب نہ پڑھ سکتا۔ پس جماعت کو اس وقت سینکڑوں نہیں ہزاروں تعلیم یافتہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کے لئے بہت سے کارکنوں کی ضرورت ہے۔ تحریک جدید کے لئے بہت سے کارکنوں کی ضرورت ہے۔ علاوہ ان کے پانچ ہزار واقفینِ تجارت کی ضرورت ہے اور ہماری یہ ضرورت پوری ہو نہیں سکتی جب تک جماعت تعلیم کو زیادہ سے زیادہ مضبوط نہ کرے۔ ہماری جماعت میں اس قدر بی۔ اے اور ایم۔ اے ہونے چاہئیں کہ ہم پہلے اپنی ضرورت کو پورا کریں اور جو ہماری ضرورت سے بچیں وہ ہم گورنمنٹ کو دے سکیں۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت سُرعت کے ساتھ جماعت کی ترقی کے دروازے کھل رہے ہیں اور وہ چیز جو ہمیں دور نظر آتی تھی بہت جلد آنے والی ہے۔ جس رنگ میں لوگوں میں بیداری اور توجہ پیدا ہو رہی ہے وہ بتاتی ہے کہ یوسف گم گشتہ کی خوشبو اب آ رہی ہے۔ یہ ہماری ہی کوتاہی اور غفلت ہو گی کہ ہم قافلہ نہ لے جائیں اور وہاں سے یوسف کو اپنے گھر نہ لے آئیں۔" (الفضل 30 جنوری 1946ء)

1: کرُچز : CRUTCHS: بیساکھی

2: ملفوظات جلد 1 صفحہ 369

3: نکھد: نکمّا، ادنیٰ (اردو جامع فیروز اللغات)۔

4: **پچھی:** گنّے کا چِھلکا، پھوگ۔

5: الاحزاب: 24

6: اسد الغابة جزء خامس صفحہ 443۔ مطبوعہ طہران 1377ھ

7: گمبھیر: ایک قسم کا پھوڑا۔

8: تاریخ ابن اثیر جلد 2 صفحہ 475، 476۔ مطبوعہ بیروت 1965ء